رسائل و مسائل

"خلافتِ معاویہؓ و یزید"

سوال: مولانا مودودی کی کتاب "خلافتِ و ملوکیت" پر تو خوب لے دے ہو رہی ہے اور اس سلسلے کے بعض سوالات کا جواب آپ نے بھی دیا ہے مگر اس موضوع سے متعلق جو کتابیں محمود احمد عباسی اور ان کے بھتیجے علی احمد عباسی نے لکھی ہیں، تعجب ہے کہ ان میں اہلِ سنت کے مسلک و عقیدہ کو جس طرح مسخ کیا گیا ہے اور حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے بالمقابل امیر معاویہؓ اور یزید کی شخصیت کو جس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تردید کسی نے ضروری نہیں سمجھی۔ تردید کیا معنی ان کتابوں کے مواد کو کسی نہ کسی صورت میں دوسرے حضرات نے اپنی تصانیف اور تحریروں میں سمو دیا ہے، حتیٰ کہ ایک کتاب "سیدنا معاویہ، شخصیت و کردار" کے بارے میں تو عباسی صاحب کو یہ شکایت کرنی پڑی ہے کہ اس کے مؤلف نے ان کے بھتیجے کی کتاب "حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی" کو سامنے رکھ کر اپنی کتاب مرتب کر ڈالی ہے، قدرے تغیر کے ساتھ مضمون بھی وہی، عنوانات بھی وہی ہیں۔

"حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی" اور "خلافتِ معاویہؓ و یزید" تو غالباً ضبط ہو چکی ہیں مگر ان سے ملتی جلتی عباسی صاحب کی ایک دوسری کتاب "تحقیقِ مزید" کے نام سے چھپ گئی ہے۔ اگر یہ کتاب آپ کی نظر سے نہ گزری ہو، تو اسے بھی دیکھیں۔ اس میں دو سو بہتر (۲۷۲) صحابہ کرام اور پانچ ازواجِ مطہرات کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی مخالفت یا خروج یزید کے خلاف ثابت نہیں، گویا یہ سب یزید کی ولی عہدی اور خلافت کی بیعت میں داخل تھے۔ صرف امام حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ نے خروج کیا۔ کیا یہ واقعات کی صحیح تصویر ہے اور کیا ان دو حضرات کو چھوڑ کر باقی سب نے یزید کی بیعت برضا و رغبت قبول کر لی تھی؟

اس سلسلے میں ایک اور واقعہ تحقیق طلب ہے۔ "خلافت و ملوکیت" اور دوسری تاریخوں میں بالعموم یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت علیؓ کے ہمراہ جنگ صفین میں شریک تھے اور امیر معاویہؓ کے لشکریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اسی بنا پر حضرت عمارؓ کے متعلق ارشاد نبویؐ تقتلک فئة باغیة میں باغی گروہ کا اطلاق امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر کیا جاتا ہے لیکن محمود عباسی صاحب نے حضرت عمار کی جنگ صفین میں شرکت کی تردید کی ہے اور اپنی کتاب حقیقتِ خلافت و ملوکیت ص۱۸۱ پر لکھا ہے کہ جو حقیقت ہے وہ خود طبری کی روایت سے منکشف ہے کہ حضرت عمار کو بلوائیوں نے مصر میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا (وقد اغتیل) صحیح صورت واقعہ کی مزید وضاحت درکار ہے۔

جواب۔ (از ملک غلام علی صاحب)۔ خوارج اور بعض معتزلہ کے ماسوا پوری امتِ مسلمہ اور علمائے اہلِ سنت میں سلف سے خلف تک اس امر پر ہمیشہ اجماع رہا ہے کہ حضرت علیؓ مسلمانوں کے چوتھے اور آخری خلیفہ راشد تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے بموجب ان پر خلافتِ راشدہ کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو بعض اہلِ علم نے صاف طور پر امام جائر اور حضرت علیؓ کے بالمقابل باغی و خاطی کہا ہے حتیٰ کہ نسبتِ فسق تک کی ہے اور بعض نے حضرت علیؓ کے خلاف اُن کے نزاع و قتال کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا ہے۔ امیر معاویہؓ کی خلافت کا انعقاد خلافتِ علیؓ کی موجودگی میں تو ہو ہی نہیں سکتا تھا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی ان کی خلافت اس وقت سے تسلیم کی گئی جب حضرت حسنؓ نے ان سے مصالحت کر لی اور خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اس وقت امیر معاویہؓ کی خلافت منعقد تو ہو گئی مگر خلافتِ راشدہ کا درجہ اسے پھر بھی حاصل نہ ہو سکا۔ بہرحال کوئی وجہ تو تھی کہ ان کی صحابیت کے باوصف اور ان کو فقیہ و مجتہد قرار دینے کے باوجود علمائے اہلِ سنت نے کبھی ان کا شمار خلفائے راشدین میں نہیں کیا اور انہیں ایک بادشاہ ہی کہا۔

پھر اپنے عہدِ خلافت میں حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا۔ یہ محض ایک جانشینی کی تجویز یا مشورہ نہیں تھا بلکہ بیٹے کو تختِ خلافت کا باقاعدہ وارث نامزد کر کے اس کی ولی عہدی کے حق میں پوری مملکت کے طول و عرض میں بیعتِ عام حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے لیے حکومت کی طاقت و سطوت اور ذرائع

وسائل کو کام میں لایا گیا۔

اس فعل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ محض باپ کی بیٹے سے محبت نہ تھی، بلکہ اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ پنہاں تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کی سنّت میں اس بات کی کوئی دلیل یا نظیر نہیں ملتی کہ مسلمانوں کا امیر یا خلیفہ اپنے کسی قرابت دار کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کرے اور اپنی بیعت کے ساتھ ایک دوسری بیعت کا قلادہ بھی ہر مسلمان کے گلے میں ڈال دے اور امت کو ایک پیشگی عہد اطاعت کا پابند بنانے کی سعی کرے۔ نیز یہ بھی ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت معاویہؓ کے اس فعل کے بعد یہ بات ایک سنتِ جاریہ اور عادتِ مستمرہ کی حیثیت اختیار کر گئی کہ خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو ولی عہد مقرر کر دے اور اس کی بیعت لے لے۔ اس سے مسلمانوں میں انتخابی خلافت کا طریقہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور اس کی جگہ بادشاہت یا آمریت نے لے لی۔ جہاں تک یزید کا تعلق ہے، بعض علمائے اہلِ سنت نے اب تک اس کے دفاع میں جو کچھ کہا ہے، وہ بس اس حد تک ہے کہ "اسے کافر کہنا اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ وہ ایک مسلمان حکمران تھا۔ ولایتِ عہد کے وقت تک اس کا فسق و فجور کسی کے علم میں نہ تھا اور امام حسینؓ کا قتل اس کے ایماء پر نہیں ہوا، اگرچہ اس نے قاتلین حسینؓ سے باز پرس بھی ضروری نہیں سمجھی"۔ اس سے آگے بڑھ کر علمائے اہلِ سنّت میں سے کسی نے بھی کوئی بات یزید کے حق میں نہیں کہی ہے۔

اب اہلِ سُنّت کے اِس اجماعی مسلک اور ان متفق علیہ تصریحات کے بالکل برعکس اور عین ضد میں ایک نیا موقف ہے جسے محمود عباسی صاحب نے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد ہی کو سرے سے مشتبہ بنانے کی سعیٔ ناکام کی ہے تاکہ ان کا خلیفۂ راشد ہونا اور اپنے مخالفین کے مقابل میں برسرِ حق یا کم از کم اولیٰ بالحق ہونا ہی مشکوک ہو جائے۔ پھر جب نوبت یزید تک پہنچی ہے تو یہاں آ کر عباسی صاحب کی دیدہ دلیری اور خیرہ چشمی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی ہے۔ ان کے نزدیک "امیر المومنین یزیدؒ" کی خلافت پر جیسا اجماعِ امت ہوا ہے ایسا اجماع حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا اور ان کے بقول:

"صحابہ و تابعین، ہاشمی اور اموی اکابرین سب نے ہر دلعزیز ولی عہد کی بیعتِ خلافت خوشدلی

کے ساتھ کی۔ البتہ مسند نشینی کی خبر سنتے ہی دونوں طالبانِ خلافت، حضرت حسینؓ و ابن الزبیرؓ، کسی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق گورنر مدینہ کو جکمہ دے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس بات کی بین دلیل ہے کہ موتِ معاویہؓ کا انتظار ہو رہا تھا۔" (تحقیق مزید ص۲۳۱)

ہٹ دھرمی کا کمال یہ ہے کہ امام حسینؓ کے سرفروشانہ اور مجاہدانہ اقدام کو عباسی صاحب نے "امیر یزید" کی خلافت کے خلاف باغیانہ خروج قرار دیا ہے اور ابن خلدون نے یزید اور اس کی ولایتِ عہد کے متعلق ہر ممکن صفائی پیش کرنے کے باوجود چونکہ یزید کے فسق و فجور کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ابن العربی کے اس قول کو غلط قرار دیا ہے کہ امام حسینؓ کا قتل شرعاً جائز تھا کیونکہ وہ یزید کے بالمقابل مدعیٔ خلافت تھے، اس لیے عباسی صاحب کہتے ہیں کہ:

"ابن خلدون نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج پر جہاں گفتگو کی ہے، وہاں ان کی پوزیشن کو صاف (یعنی داغدار؟) کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ انہوں نے ولیعہدی کی بیعت کے سلسلہ میں تو بہت اچھی بحث کی ہے، جسے کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" میں نقل کرتے ہوئے تحسین بھی کی گئی لیکن اقدامِ خروج کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے میں شاید عقیدتِ حسینؓ ان کے مانع آئی۔ عقیدت کی بات اور ہے اور وقائع تاریخی کی بے لاگ ریسرچ شئے دیگر است۔"

(تحقیقِ مزید ص۲۴۲)

اس "ریسرچ شئے دیگر است" کے نادر نمونے عباسی صاحب کی تحریروں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ معروف دو طالبانِ خلافت کے ماسوا پوری امتِ مسلمہ نے ہر دلعزیز ولی عہد کی بیعت جس بے قراری کے ساتھ کی، اس کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے عباسی صاحب نے "تحقیقِ مزید" میں ایک باب "صحابۂ رسول اللہ صلعم اور یزیدؒ کی بیعت ولیعہدی و خلافت" کے نام سے رقم کیا ہے اور سَو سے زائد صفحات میں ان تمام صحابۂ کرام اور امہات المؤمنین کے اسماء و تراجم بیان کر دیئے ہیں جو یزید کی ولی عہدی کے وقت زندہ تھے اور جن کے حالات مؤلف کو مل سکے ہیں گویا ان اصحاب کا بقیدِ حیات ہونا اور بیعتِ یزید کے وقت دنیا سے اٹھ نہ جانا بجائے خود اس امر کا زندہ ثبوت ہے کہ انہوں نے پوری خوشدلی اور آمادگی کے ساتھ لپک کر یزید کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی تھی۔

عباسی صاحب نے فقط ان حضرات کے نام گنوانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ احادیث صحیحہ کا مفہوم مسخ کرنے اور واقعات ثابتہ کا حلیہ بگاڑنے میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ اس کوشش کا ایک نمونہ میں یہاں پیش کیے دیتا ہوں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تاریخی واقعات بیان کرنے میں عباسی صاحب نے کیسی دیانت سے کام لیا ہے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"یہ محترم خاتون امیر یزیدؒ کے زمانہ ولی عہدی میں حیات تھیں۔ صحیح بخاری میں بیان کیا گیا کہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر کو ہدایت کی کہ اس مجلس میں فوراً شریک ہوں جس کے لیے ان کو بلایا جا رہا تھا، ایسا نہ ہو کہ عدم شرکت کی بنا پر کوئی صورت اختلاف کی پیدا ہو...... یہ معاملہ تحکیم (ثالثی) کا نہ تھا بلکہ امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کا مسئلہ تھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے امیر یزید کی ولیعہدی اور خلافت کی بیعت بلا تذبذب کی تھی۔ ان کے اس عمل سے ان کی محترم بہن کے موقف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔"

اس طرح بخاری کے حوالے سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ دونوں بہن بھائی "امیر المؤمنین" کی بیعت کے لیے سخت بے چین اور بے تاب تھے۔ دوسرے مقامات پر بالعموم عباسی صاحب کتابوں کے صفحات کا حوالہ دیتے ہیں، لیکن یہاں انہوں نے بخاری کی کتاب، باب یا صفحے کا حوالہ نہیں دیا — بہرکیف یہ حدیث بخاری کتاب المغازی، باب غزوۂ خندق میں موجود ہے اور اس کا متن اور ترجمہ درج ذیل ہے:

عن ابن عمر قال دخلت علی حفصة و نسوا تها تنطف، قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شيء، فقالت الحق فانهم ینتظرونك واخشی ان یکون فی احتباسك عنهم فرقة فلم تدعه حتی ذهب فلما تفرق الناس خطب معاویة قال من کان یرید ان یتکلم فی هذا الامر فلیطلع لنا قرنه	حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے ہاں گیا۔ وہ نہائی تھیں اور پانی ان کے بالوں سے ٹپک رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ لوگوں کا حال تو آپ دیکھ رہی ہیں مگر میرا تو امارت سے کوئی سروکار نہیں رہنے دیا گیا۔ حفصہؓ بولیں: آپ جائیں، لوگ آپ کے منتظر ہیں اور میں ڈرتی ہوں کہ آپ کے وہاں نہ جانے سے پھوٹ پڑ جائے گی۔ غرض حضرت حفصہؓ نے انہیں اس وقت تک نہ چھوڑا

ولنحن احق به منه ومن ابيه قال حبيب بن مسلمة فهلّا جبته قال عبد الله فحللت حُبوتي وهممت ان اقول احق بهذا الامر منك من قاتلك واباك على الاسلام فخشيت ان اقول كلمة تفرق بين الجمع وتسفك الدم ويحمل عني غير ذالك. فذكرت ما اعد الله في الجنان. قال حبيب حُفظتَ وعُصمتَ۔

جب تک وہ مجمع میں چلے نہ گئے۔ جب لوگ الگ الگ ہو گئے تو امیر معاویہؓ نے تقریر میں کہا کہ جو شخص اس امارت یا بیعت کے معاملے میں کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ ذرا اپنا سینگ تو اونچا کرے ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ امارت کے حقدار ہیں۔ حبیب بن مسلمہ نے پوچھا کہ آپ نے اس کا جواب نہ دیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنی چادر اتاری اور ارادہ کیا کہ امیر معاویہ سے کہوں کہ تم سے زیادہ حقدار امارت کا وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کی خاطر لڑائی کی۔ پھر مجھے اندیشہ ہوا کہ میری بات سے تفرقہ پیدا ہوگا، خونریزی کی نوبت آئے گی اور میری بات سے کچھ اور ہی مفہوم لیا جائے گا۔ پس میں نے ان نعمتوں کی یاد دل میں تازہ کی جو اللہ نے جنت میں بنا رکھی ہیں اور خاموش رہا۔ حبیب کہنے لگے کہ آپ محفوظ رہے اور بچ گئے۔

اب اس روایت کے تیور اور انداز بیان کو دیکھیے اور عباسی صاحب اس سے جو مطلب نچوڑنا چاہتے ہیں اسے بھی دیکھیے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں تحکیم کے بجائے یزید کی ولی عہدی زیر بحث ہے، تب بھی اس مکالمہ کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ بیعت ولی عہدی کا معاملہ جس طرح طے کیا جا رہا تھا حضرت عبداللہ ابن عمر اس پر غیر مطمئن اور رنجیدہ تھے لیکن آپ چونکہ طبعاً جھگڑوں اور فتنوں سے دامن بچا کر رکھنا چاہتے تھے اور آپ کے والد ماجد نے بھی آپ کو امیدواری خلافت سے روک دیا تھا، اس لیے آپ اس مجمع میں حاضر ہونا پسند نہیں فرماتے تھے جس میں امیر معاویہؓ کی تقریر کا پروگرام تھا لیکن حضرت حفصہؓ نے انہیں باصرار وہاں جانے پر آمادہ کیا کیونکہ وہاں ان کی غیر حاضری کو محسوس کیا جا رہا تھا اور حضرت حفصہؓ کا خیال یہ تھا کہ ان کے جانے سے کچھ تو فائدہ ہوگا اور فساد دبے گا۔ بہرکیف حضرت عبداللہ بن عمر اس مجلس میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے تقریر فرمائی اور تہدید آمیز

انداز میں کہا کہ "جو شخص میرے یا میرے بیٹے کے خلاف لب کشائی کی جرأت رکھتا ہے۔ وہ یہاں ذرا سر اٹھا کر دیکھے تو سہی، ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں۔ محدثین کے بیان کے مطابق یہاں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت حسین ابن علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف طعن و تعریض اور ان پر اپنی فوقیت جتانا مقصود تھا جسے حضرت ابن عمر جیسے متحمل اور مصالحت پسند بزرگ بھی مشکل ہی سے برداشت کر سکتے تھے چنانچہ ان کے جی میں آیا کہ وہ یہ کہیں کہ جناب آپ سے زیادہ خلافت کے مستحق وہ ہیں جنہوں نے آپ کے اور آپ کے والد ابوسفیان کے خلاف قتال کیا جب کہ آپ دونوں کفر کی حالت میں ہمارے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ مگر آپ یہ بات کہتے کہتے صرف اس خطرے کی بنا پر رک گئے کہ میری اس بات کو طلبِ خلافت کے معنی پہنائے جائیں گے اور جو لوگ بزورِ شمشیر اس مسئلے کو طے کر رہے ہیں وہ برافروختہ ہو کر مزید خون خرابہ کریں گے۔

یہ واقعہ تو حضرت ابن عمرؓ کا ہوا۔ اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ بھی بخاری (تفسیر الاحقاف) میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مروان کو مدینے کا گورنر بنایا۔ اس نے اپنے ایک خطبے میں یزید کی ولی عہدی کا ذکر شروع کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اس پر اعتراض کیا۔ مروان کہنے لگا "پکڑو اسے"۔ عبدالرحمٰنؓ نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے گھر میں پناہ لی۔ مروان نے وہاں تک پیچھا کیا اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ بھی تلخ کلامی کی۔

یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ حضرت علیؓ سے لے کر عبدالملک بن مروان کے عہد تک جتنی بھی لڑائیاں جھگڑے ہوئے ان سے حضرت عبداللہ بن عمر الگ تھلگ رہے اور حضرت علیؓ کے بعد جس نے بھی خلافت پر قبضہ کر لیا، اس کی حکومت کو جس طرح دوسرے مسلمانوں نے چار و ناچار تسلیم کر لیا، اسی طرح آپ نے بھی کر لیا۔ لیکن یہ کہنا دراصل حقائق کا منہ چڑانا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ یا دوسرے کبار صحابہ و تابعین نے بطیبِ خاطر ان متغلبین کی اطاعت قبول کی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حدیث بالا کی شرح کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی رائے یہ تھی:۔

انه لا یبایع المفضول الا اذا خشی الفتنة ولهذا بایع بعد ذالك معاویة ثم ابنه یزید

افضل کے مقابلے میں مفضول کی بیعت جائز نہیں، الا یہ کہ فتنے کا خدشہ ہو۔ اسی لیے حضرت ابن عمرؓ نے حضرت

ونهى بنيه عن نقض بيعته وبايع بعد ذلك لعبد الملك بن مروان۔

علیؓ کے بعد حضرت معاویہؓ کی اور پھر ان کے لڑکے یزید کی بیعت کی اور اپنے بیٹوں کو اس کی بیعت توڑنے سے روکا اور اس کے بعد عبد الملک بن مروان کی بھی بیعت کی۔

محمود عباسی جیسے لوگ جو ہر "امیر المؤمنین" کے آگے دیدہ و دل فرشِ راہ کرنے پر آمادہ و مستعد رہتے ہیں، وہ بیچارے اپنے اُوپر ان سلفِ صالحین کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ عباسی صاحب کی باطنی کیفیت کا عکس ان کی درج ذیل تحریر میں دیکھا جا سکتا ہے:

"امتِ مسلمہ اسوۂ عثمانی سے سبق حاصل کرتی تو طلبِ خلافت کی خونریزیوں سے اسلامی ریاست کے خدوخال اس درجہ مسخ نہ ہوتے جن کا قدرے اندازہ مسلسل خروجوں کے حالات سے ہوگا۔ اسلامی تاریخ میں شاید یہی ایک قابلِ تقلید مثال مفاداتِ امت کے پیشِ نظر بغیر خونریزی کے سیاسی انقلاب پیدا کرنے کی ہے جو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو کہ کسی طرح اسوۂ عثمانی پر عمل تو ہو سکا۔"

(تحقیق مزید ص ۲۳۵)

ظاہر ہے کہ جس "محقق" کی چشمِ بینا کو پوری اسلامی تاریخ میں یہی ایک قابلِ تقلید مثال نظر آئی ہو، اُس سے اگر مقامِ حسینؓ مخفی رہے اور یزید اُسے "ہر دلعزیز امیر المومنین" نظر آئے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

حضرت عمار بن یاسرؓ کا جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینا اور امیر معاویہؓ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہونا ایک قطعی الثبوت واقعہ ہے جو تاریخ کی کتابوں ہی میں نہیں بلکہ کتبِ حدیث میں بھی مذکور ہے۔ تمام مؤرخین و محدثین نے اسے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ بلکہ مسند احمد اور دیگر کتب میں یہ واقعہ بھی بہ سند بیان ہوا ہے کہ حضرت عمارؓ کی شہادت کی خبر دے کر امیر معاویہ کو تقتلك الفئة الباغية والی حدیث بھی سنائی گئی اور بعض روایات

میں حضرت معاویہؓ کا یہ عجیب جواب بھی مذکور ہے کہ ہم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ ان کے قتل کا اصل باعث علیؓ ہیں جو انہیں ساتھ لائے۔ محمود عباسی اولین شخص ہیں جنہوں نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور یہ بات تصنیف کی ہے کہ عمارؓ تو دو سال پہلے مصر میں ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ اس دروغ بافی کا تانا بانا علامہ ابن جریر طبریؒ کے صرف ایک فقرے سے تیار کیا گیا ہے جو انہوں نے اس سلسلۂ بیان میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمارؓ کو اہلِ مصر کی شکایات کی تحقیق کے لیے مصر بھیجا تھا اور وہاں" انہیں لوگوں نے اتنا عرصہ روکے رکھا کہ یہ گمان کیا جانے لگا کہ انہیں دھوکے سے مار ڈالا گیا ہے۔"

ویسے تو عباسی صاحب طبری کو ہر جگہ رافضی لکھتے ہیں لیکن مطلب برآری کے لیے ان کے ہاں شیعہ، عیسائی، یہودی، دہریہ ہر شخص ثقہ بن جاتا ہے اور اگر کسی شخص کے قول سے وہ مطلب نکلتا نظر نہ آتا ہو، جو عباسی صاحب کو پسند ہو، تو وہ اس قول کو چھیل بنا کر اور اپنی تحقیق زین کے خراد پر چڑھا کر حسبِ منشا صورت میں ڈھال لینے میں بڑے ماہر ہیں۔ طبری کا اصل فقرہ یہ ہے: واستبطأ الناس عمارا حتی ظنوا انہ اغتیل بس لوگوں کے اس گمان کو بنیاد بنا کر جھوٹ کا یہ محل تعمیر کیا گیا ہے کہ عمارؓ تو مصر میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

عباسی صاحب نے "سیدنا معاویہؓ، شخصیت و کردار" کے مصنف کے بارے میں یہ شکایت تو کی ہے کہ انہوں نے ان کے بھتیجے کی کتاب کا سارا مواد اپنی کتاب میں بلا حوالہ و بلا اجازت جذب کر لیا ہے، مگر یہ میرے نزدیک ایک شکوۂ بے جا ہے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق حکیم محمود احمد ظفر کراچی میں ان سے کئی بار ملے اور اپنا عندیہ ان پر ظاہر کرتے رہے۔ انہوں نے عباسی صاحب اور ان کے بھتیجے کی کتاب کا مواد لینے کی اجازت مانگی جو انہیں شوق سے دی جاتی رہی کیونکہ عباسی صاحب کے بقول ان کا مقصد تو "تحریک کی اشاعت ہے"۔ اس کے بعد جب حکیم محمود احمد نے دیکھا کہ اصل کتابیں ضبط ہیں اور ان کے مضامین کا بلا حوالہ سرقہ کر لیا جائے تو قارئین کو مشکل ہی سے حقیقتِ حال کا علم ہوگا، تو حکیم صاحب نے اس مواد کو اپنے نام سے چھاپ دیا۔ آخر ان کا مقصد بھی تو اسی تحریک کی اشاعت ہے جسے عباسی صاحب نے چلا رکھا ہے۔